شیخ الحدیث وصدر مدرس دارالعلوم دیوبند

عالمِ یگانہ حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالن پوریؒ

کچھ تأثرات، کچھ حالات

۱۳۶۰ھ/۱۹۴۰ء—۱۴۴۱ھ/۲۰۲۰ء

ڈھونڈو گے اگر ملکوں ملکوں، ملنے کے نہیں ''کم یاب'' ہیں ہم
جو یاد نہ آئے بھول کے پھر، اے ہم نفسو! وہ خواب ہیں ہم
(علی محمد شاد عظیم آبادی: ۱۸۴۶—۱۹۲۷ء)

بہ قلم: مولانا نور عالم خلیل امینی
چیف ایڈیٹر ''الداعی'' عربی واستاذ ادبِ عربی
دارالعلوم دیوبند

چہارشنبہ وپنج شنبہ (بدھ- جمعرات): ۲۲-۲۳/رجب ۱۴۴۱ھ مطابق ۱۸-۱۹/مارچ ۲۰۲۰ء کی شب میں عشا کی نماز کے بعد مفتی صاحب نے بخاری شریف کا آخری درس دیا۔ جب درس گاہ یعنی دارالحدیث: دارالعلوم کے کتب خانے کی نئی عمارت کے زیریں ہال میں حاضری ہوئی، تو حسبِ معمول اُنھوں نے حمد وصلاۃ کے بعد، سبق کا خلاصہ ذکر کیا، اس کے بعد متعینہ طالب علم نے بخاری شریف کی متعلقہ حدیثیں پڑھیں۔ آپ نے حدیثوں کے مطلوب ومفہوم پر حسبِ توفیق گفتگو کی۔ پھر طالب علم نے آگے کی عبارت پڑھی اور آپ نے حسبِ منشا گفتگو کی۔ اُس کے بعد پھر طالب علم نے آگے کی حدیثوں کی خواندگی کی؛ لیکن اس کے بعد آپ نے جو کچھ کہنا چاہا، اُس پر قادر نہ ہوسکے، زبان ودماغ نے ساتھ نہیں دیا۔

خاصی دیر تک یہ ہوا کہ بخاری شریف کے صفحات آپ کے سامنے کھلے رہے؛ لیکن اُن کے اپنے اِرادے اور کوشش کے باوجود اُن کی زبان بندی ختم نہ ہوسکی، دیر تک خاموش نشستگی کی حالت میں جب اُن کا دل بہت متاثر اور پُرغم ہوگیا، تو یہ کیفیت چشمِ تر سے چہرے پر ٹپکتے ہوئے آنسوؤں سے عیاں ہونے پر ۱۵سو طلبۂ دورۂ حدیث کی جماعت، جو شریکِ درس تھی، پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

دارالعلوم دیوبند کے اُستاذ مولانا ڈاکٹر اشتیاق احمد قاسمی دربھنگوی نے (جو مفتی صاحب کے محبوب اور ہمہ وقت حاضر باش، دکھ درد میں شریک رہنے والے شاگرد رِشید ہیں) جو مفتی صاحب کی زندگی کے اس آخری درس میں موجود تھے؛ مفتی صاحب سے گزارش کی کہ آپ دعا کے لیے ہاتھ اُٹھالیں؛ تا کہ طلبہ خاموش طور پر آپ کے ساتھ دعا کرلیں؛ لیکن مفتی صاحب نے دھیمی آواز

میں یہ آخری جملہ اِرشادفرمایا ''اب جو اللہ چاہے گا وہی ہوگا''۔

گویا درس گاہ میں اُن کے آخری درس کا یہ آخری جملہ تھا، جو اَب طلبہ کی زبان پر عرصۂ دراز تک جاری رہے گا اور وہ بہ طور ہدیۂ ثمینہ ایک دوسرے کو پیش کرتے اور غم گُشی کا ذریعہ سمجھتے رہیں گے۔ پھر انتہائی شکستہ دلی کی حالت میں کتاب بند کر کے، فوراً کھڑے ہوگئے اور مسندِ درس سے اتر کر، ہال کے باہر کھڑی کار میں بیٹھ اپنے گھر آ گئے۔ مولانا اشتیاق نے کار میں بیٹھتے ہی اُن سے عرض کیا کہ حضرت! ابھی دارالعلوم میں تعلیمی سال کے ختم پر ہونے والی سالانہ تعطیلِ کلاں نہیں ہوئی ہے، آپ کل ممبئی تشریف لے جارہے ہیں، اِن شاء اللہ چند ہی روز میں شفایاب ہوکر جب تشریف لے آئیں گے، تو اِس آخری درس کا باقی ماندہ مکمل فرمادیں گے اور طلبہ کو جو آخری نصیحت کرنی ہوگی وہ بھی ان شاء اللہ کر دیں گے۔ یہ سن کر اُن کے چہرے پر اطمینان وانبساط کی لکیریں ابھر آئیں۔

گھر (جو اندرون کوٹلہ میں واقع ہے) پہنچ کر اپنے دیوان خانے میں کرسی پر بیٹھتے ہی غم زدہ واُداس لہجے میں فرمایا کہ لگتا ہے کہ میں آیندہ سال بخاری شریف کا درس نہیں دے سکوں گا۔ مولانا اشتیاق نے اُنھیں تسلی دی اور عرض کیا کہ حضرت! آپ خاطر جمع رکھیں، آپ اِن شاء اللہ آیندہ سال بھی اپنی تعلیمی وعلمی ذمّے داریوں سے عہدہ برآ ہوتے رہیں، گزشتہ سال بھی آپ کو زبان بندی کا عارضہ لاحق ہوا تھا؛ لیکن دوا وعلاج سے آپ بحمداللہ بہ عجلت صحت یاب ہو کر اپنے تدریسی وتحریری مشاغل اور دیگر واجباتِ زندگی میں سرگرمِ عمل ہو گئے تھے، تا آں کہ دوبارہ یہ صورتِ حال پیش آئی ہے، اِن شاء اللہ آپ اِس مرتبہ بھی جلد ہی شفایاب ہوں گے۔ مفتی صاحبؒ ہمت وحوصلے کے آدمی تھے، تسلّی دہندہ کی ان باتوں کو سن کر، بڑی حد تک مطمئن ہوگئے۔

آیندہ کل، یعنی جمعرات: ۲۳/رجب ۱۴۴۱ھ = ۱۹/ مارچ ۲۰۲۰ء کو علاج کے لیے ممبئی تشریف لے گئے، جہاں اُن کی صاحب زادی، داماد، اُن کے اہل خانہ اور دیگر اعزا واقربا کی بود وباش ہے۔ دوسرے روز، یعنی جمعہ: ۲۴/رجب = ۲۰/مارچ کو اُن لوگوں کے مشورے سے، ممبئی کے ''مومن'' برادری کے ہسپتال ''ملت'' میں علاج کے لیے داخل ہوے۔ وہاں تشخیص ہوئی کہ کولسٹرول بہت بڑھا ہوا ہے اور موجودہ ساری پریشانیاں اسی کی وجہ سے ہیں۔ وہاں بھرپور توجّہ کے ساتھ علاج ہوا اور ۴ روز بعد ہی، یعنی دوشنبہ: ۲۷/رجب = ۲۳/مارچ کو شفایاب ہوکر ممبئی کی قیام گاہ واپس آ گئے۔

۲۸/رجب = ۲۴/مارچ کو ہندوستان کے وزیر اعظم نے ''کورونا وائرس'' کے پھیلاؤ پر قابو پانے کے لیے پہلے قدم کے طور پر ''جنتا لاک ڈاؤن'' کا اِعلان کیا، چناں چہ اُس دن باشندگانِ ملک نے اس فرمان کی مکمل تعمیل کی۔ اُسی روز، یعنی ۲۸-۲۹/ رجب = ۲۴-۲۵/مارچ کی رات میں وزیر اعظم نے ملک گیر مکمل لاک ڈاؤن کا اِعلان کر دیا اور ۱۲ بجے رات سے اُس کا نفاذ عمل میں آ گیا؛ لہٰذا پورے ملک میں جو جہاں تھا وہیں پھنس گیا؛ کیوں کہ آمد ورفت کے سارے ذرائع بالکلیہ موقوف کر دیے گئے۔

مفتی صاحبؒ کو مجبوراً ممبئی ہی میں مقیم رہنا پڑا۔ اُنھوں نے وہاں کے قیام کو طبی ہدایات کے تحت آرام اور محض وقت گزاری کی نذر نہیں ہونے دیا؛ بل کہ پردیس میں مُیَسَّر وسائل سے کام لے کر علمی مشاغل کو بھی حتی الامکان جاری رکھا؛ کیوں کہ یہ اُن کی روح کی غذا اور بیماریوں کی دوا تھے۔ نیز رمضان مبارک کے آغاز سے ہی، اُنھوں نے نمازِ تراویح کے بعد، آن لائن مواعظ کا سلسلہ بھی شروع کیا، جس سے خلقِ خدا کو بہت فائدہ ہوا۔

دوشنبہ: ۱۷ر رمضان = ۱۱ر مئی کو اُنھیں بخار محسوس ہوا، جس سے خاصی کم زوری پیدا ہوگئی۔ جمعرات: ۱۸ر رمضان = ۱۲ر مئی کو اُنھیں ممبئی کے ''ملاڈ'' کے ''نیوسنجیونی'' ہسپتال میں داخل کر دیا گیا، وہاں تشخیص ہوئی کہ پھیپھڑے میں پانی بھر گیا ہے، جس کی وجہ سے سانس لینے میں پریشانی ہورہی ہے، چناں چہ سخت نگرانی کے یونٹ ''آئی سی او'' میں اُنھیں منتقل کر دیا گیا۔ دو تین روز بعد اِفاقے کی کیفیت محسوس ہوئی؛ لیکن پھر بیہوشی کا عالم طاری ہوگیا اور بالآخر سہ شنبہ: ۲۵ر رمضان = ۱۹ر مئی کی صبح کو تقریباً 6:30 ساڑھے چھ بجے اُنھوں نے آخری سانس لی اور ربِّ کریم کے جوارِ رحمت میں پہنچ گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

۲۵ر رمضان ہی کو اُن کی پہلی نماز جنازہ مذکورالصدر ہسپتال کے قریب ایک مسجد کے باہر ادا کی گئی جس کی امامت اُن کے صاحب زادے مولانا وحید احمد نے کی۔ دوسری نماز، جو تدفین سے قبل قبرستان میں ادا کی گئی، کی امامت اُن کے ایک دوسرے صاحب زادے حافظ قاری عبداللہ نے کی۔ شام کے ساڑھے چھ بجے اس گنجینۂ علم وفضل کو ممبئی کے ''جوگیشوری'' کے ''اوشیورہ'' قبرستان میں سپردِ خاک کر دیا گیا۔ لاک ڈاؤن کے باوجود معتد بہ تعداد نے نماز جنازہ اور تدفین میں شرکت کی۔ اللہ اُن کی قبر کو نور سے بھر دے اور شہدا وصالحین وصدیقین کے ساتھ جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازے اور تمام پس ماندگان ومحبین وتلامذہ ومتعارفین کو صبرِ جمیل واجرِ جزیل سے بہرہ یاب کرے۔

ذرائعِ ابلاغ کی برق رفتاری کی وجہ سے مفتی صاحب کی وفات کی خبر نہ صرف ہندوستان وبرّصغیر میں؛ بل کہ پوری دنیا میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ دارالعلوم اور قاسمی برادری کے حلقے کو خصوصاً اور دینی وعلمی حلقے کو عموماً اِس حادثۂ جاں گسل سے جو حزن وملال ہوا، اُس کو کسی لفظی تعبیر کے ذریعے بیان نہیں کیا جاسکتا۔ دارالعلوم کو اُن کی وفات سے جو خسارہ لاحق ہوا ہے، اُس کی تلافی کی بہ ظاہر کوئی صورت دور دور تک نظر نہیں آتی، البتہ خدائے قادر وہّاب کی رحمت سے ہمیں ناامید نہیں ہونا چاہیے۔ دارالعلوم میں شیخ الحدیث حضرت مولانا سیّد فخر الدین احمد نور اللہ مرقدہ (۱۳۰۷ھ/ ۱۸۸۹ء — ۱۳۹۲ھ/ ۱۹۷۲ء) کے بعد سے ہی شیخ الحدیث کا منصب اُن جیسے عالی مقام محدث کے لیے ترستا رہا ہے، یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ مفتی سعید احمد پالن پوری نے اپنے کئی پیش رووں کے بعد اپنے عہد میں اس خلا کو پُر کر دیا تھا؛ لیکن یہ کہنا صحیح ہوگا کہ اُن کی وجہ سے اُن کے فیض یافتگان کو خاصی علمی وفکری تسلّی محسوس ہوتی تھی، جس کی بنا پر اُن کے ذہنوں میں حضرت مولانا سید فخر الدین احمد قدس سرّہ العزیز جیسے عظیم الشان مشائخِ حدیث کی دھندلی سی تصویر گردش کرنے لگتی تھی۔

مفتی صاحب کی علمی شخصیت تعمیرِ ذات وصفات میں جہدِ مسلسل کے طفیل خاصی بھاری بھرکم اور باوقار وبااعتبار بن گئی تھی۔ وہ دارالعلوم کے موجودہ ماحول میں علم وفضل کی ترازو کا بہترین پاسنگ تھے، جس کی غیر معمولی اہمیّت ہوا کرتی ہے؛ کیوں کہ وہ ترازو کے توازن کا ضامن ہوتا ہے۔

محنت، قدر دانیِ اوقات، انہماکِ عمل، ذہانت وقوتِ حافظہ، سرعتِ فہم، کمال کی استنتاجی صلاحیت، مسائل کی تہوں تک زودرسی اور تقریر وتحریر میں ترتیب وانضباط اور تفصیل وتسہیل کا اہتمام جیسی صفات، اُن کو بہت سے معاصر علماء ومدرسین سے ممتاز کرتی تھیں۔ تاثیری انفرادیت، زبردست ترسیلی قوت اور تفہیمی لیاقت اُن کی شناخت تھی۔ وسعتِ مطالعہ (جس کو پیہم ونا آشنائے تکان تدریسی وتحریری سرگرمیوں نے پختگی واستحضاری اور مزید وسعت پذیری عطا کی تھی) کی وجہ سے وہ علمی مسائل کے حوالے

سے تازہ دم و تازہ کار رہتے تھے۔

خود اعتمادی و خدا اعتمادی، جرأت و بے باکی، صبر و استقامت، بیدار مغزی اور ہمت و حوصلے کی فراوانی؛ معرکۂ حیات میں اُن کی شمشیریں تھیں۔ کتاب و سنت کے گہرے مطالعے سے کشیدہ، اپنی علمی و دینی و اعتقادی آرا پر ثبات و اصرار اور دلائل و براہین کی روشنی میں اہلِ علم سے اختلاف کا اِظہار اور بہ وقتِ ضرورت اُن کے علمی استنتاجات کی تردید و تصحیح میں وہ کبھی جھجک محسوس نہیں کرتے تھے۔ دینی و اعتقادی مسائل میں شخصی روایات کی تقلید پر، کتاب و سنت کی اصلی تصریحات اور واضح ہدایات کی علمی ترجیح و تائید اور عملی توثیق میں ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے۔

اپنی علمی بلند قامتی کی وجہ سے نہ صرف دارالعلوم کے ماحول میں؛ بل کہ سارے دیوبندی حلقے اور عام علمی و دینی برادری میں، علمی و عملی رویّوں کے حوالے سے، بعض دفعہ رونما ہونے والی ناہم واریوں اور عدمِ توازن کی کیفیتوں کے بالمقابل؛ وہ توازن کا واضح استعارہ تھے۔

اُن کی قدآور علمی شخصیّت کے طفیل، دارالعلوم میں جو علمی ہل چل تھی، تحقیق و جستجو کے باب میں خوب سے خوب تر حد تک پہنچنے کی جو تگ و تاز رہا کرتی تھی، اُن کی علمی تحقیق کی چٹان سے بعض دفعہ نتائج مطالعہ و فکری اکتسابات کی موجیں جس طرح ٹکرا کر پاش پاش ہوتی رہتی تھیں؛ اب اِس منظر کو دیکھنے کے لیے آنکھیں نہ جانے کب تک ترستی رہیں گی۔

درس گاہوں میں دیے گئے اُن کے تدریسی و علمی محاضرات، فرقِ باطلہ کی تردید میں کی گئی اُن کی علمی و تحقیقی تقریریں اور عام مجلسوں میں اُن کے واعظانہ ارشادات بھی علمی نکتہ آفرینیوں، عالمانہ ژرف نگاہیوں اور متکلمانہ درازنفسیوں کا نمونہ ہوتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ اُن کی عوامی تقریریں بھی خواص ہی کے لیے زیادہ مفید ہوتی تھیں۔ سنجیدگی و بالیدگی اور دانش ورانہ طرز ادا اُن کی ساری لسانی تخلیقات و بخشایشوں کی شناخت ہوتی تھی۔ اِس کے باوجود اُن کے عوامی خطابات سے عوام کو بہت فائدہ ہوا؛ کیوں کہ اُنھوں نے اُن میں سادہ و عام فہم الفاظ و تعبیرات سے کام لینے کی کوشش کی۔

علمی مسائل کو حل کرنے، یا سائل کو اُن کا جواب دینے میں، کبھی عجلت پسندی، تاویلِ ناروا اور کھینچ تان سے کام نہ لیتے۔ اگر کوئی بات واضح طور پر معلوم نہ ہوتی، یا اگر اُس کا کوئی گوشہ اُن کے ذہن میں واضح نہ ہوتا، تو وہ توقّف کرتے اور سائل سے فرماتے کہ مجھے اِس سلسلے میں تامّل ہے، یا میں اس سے ناواقف ہوں۔ پھر علمی مراجعے کے بعد ہی وہ تسلّی بخش جواب دیتے؛ اِسی لیے راقم کو اُن کے مطالعاتی اور علمی رویّے پر بڑا اعتماد تھا اور اُس کو اُن کے اِس طرزِ عمل سے بے حد خوشی ہوتی تھی۔

''اہلِ علم'' کی شناخت یا شہرت کے حامل افراد بالعموم علمی مسائل کا عاجلانہ جواب دینے اور مسائل کے گوشوں کے مُبہم یا نامعلوم ہونے کی صورت میں بھی سائل کو تاویلاتِ بے جا کے ذریعے مطمئن کرنے کی کوشش کے ذریعے اپنی شخصیت کے حوالے سے بھی غیر مطمئن بنادیتے ہیں۔ عربی کا مقولہ ہے (جو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے): "إنَّ من العِلْمِ إذا سُئِلَ الرَّجُلُ عَمَّا لا يَعْلَمُ أن يَقُوْلَ: اللهُ أَعْلَمُ" (طبقات الحنابلۃ، ج۱ص۱۰)۔ یعنی یہ بھی علم ہے کہ کسی آدمی سے ایسی بات معلوم کی جائے جس سے وہ لاعلم ہے، تو یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کا زیادہ علم ہے۔

مفتی صاحبؒ سے راقم نے بارہا بہت سی حدیثوں کے متن یا شرح یا کسی خاص لفظ کا مدلول جاننا چاہا، تو مُتعدِّد مرتبہ اُنھوں

نے فوراً جواب دینے سے گریز کرتے ہوئے فرمایا: مولانا! میں آپ کو اِس سلسلے میں کل بتاسکوں گا؛ چناں چہ دوسرے دن یا اُس کے بعد وہ بہ ذریعہ فون راقم کو اس سلسلے میں اطمینان بخش جواب دیتے۔

خود راقم کا بھی اُن کے ساتھ یہی رویّہ رہا کہ اگر وہ کسی صرفی یا نحوی یا لغوی اِشکال کے متعلق تدقیق چاہتے، تو معلوم ہونے کی صورت میں، راقم اُنھیں اُسی وقت راہِ صواب بتا دیتا؛ ورنہ مطالعے کے بعد، وہ اس حوالے سے گرہ کشائی کی توفیق پاتا، سچ یہ ہے کہ ہم دونوں اِس مشترکہ طرزِ عمل سے ایک دوسرے سے بے انتہا مطمئن تھے۔

دارالعلوم میں الحمدللہ، ذی علم و باکمال واَصحابِ قال وحال اساتذہ کی کمی نہیں؛ لیکن مفتی صاحب کی ممتاز علمی شخصیت سے طلبہ کو اُن کے طویل تدریسی دورانیے میں جو علمی وفکری فائدہ ہوا، وہ مقدار ومعیار کے اعتبار سے مثالی رہا۔ دارالعلوم کا دارالحدیث، اُس کی درس گاہیں؛ بل کہ اُس کے در و بام اور وہاں وقتاً فوقتاً سجنے والے بڑے بڑے اجتماعات کے اسٹیج، اُنھیں عرصے تک ڈھونڈتے رہیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ اُن کی ایسی علمی عظمت کا خمیر، بڑی مشکل سے، لیل ونہار کی دراز نفس گردشوں، غیر معمولی پاکیزہ پس منظروں اور والدین سمیت لاتعداد صلحا واتقیا کی دعاؤں اور نگاہ ہاے مومنانہ کے ساحرانہ فیضان اور سب سے بڑھ کر خداے کریم کی توفیقِ خاص سے اٹھتا ہے۔

اِس لیے اُن کی رحلت سے جو خلا دارالعلوم میں پیدا ہوا ہے، وہ غیر معمولی ہے اور آسانی سے پُر ہونے والا نہیں ہے؛ لیکن چوں کہ یہ درس گاہِ علم ودین خداے عظیم کے خصوصی فضل وکرم کا ثمرہ ہے، جو شب زندہ دار علماے ربّانیین کی آہِ سحر گاہی اور عرصۂ دراز تک اُن کی گریہ وزاری کی وجہ سے اِس خطۂ زمین کی طرف متوجّہ ہوکر ''مدرسہ اسلامی عربی، دیوبند'' کی شکل میں مُجَسَّم ہوا؛ اس لیے اللہ تعالیٰ کی رحمتِ واسعہ سے امید ہے کہ اِن شاء اللہ، اِس خسارے کی تلافی وہ غیب سے ضرور کرے گا۔ **وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيز**.

مفتی صاحبؒ میں ایک بہت اچھی بات یہ تھی کہ علمی وقار واعتبار کے باوجود، اُن میں اِحساسِ برتری کی بُرائی نہ تھی، جو اہلِ علم میں عموماً پیدا ہو جاتی ہے، وہ تکلّفانہ رعب داب سے بھی کام نہ لیتے تھے؛ اِسی لیے طلبہ اُن سے خاصے مانوس رہتے تھے اور درس گاہوں کے علاوہ بھی، اُن کے لیے اُن سے استفادہ وفیض یابی آسان ہوا کرتی تھی۔ ہمہ وقتی مشغولیت کے باوجود عصر کے بعد اور دوسرے اوقات میں بھی ملنے جلنے کے لیے آنے والوں کے لیے وقت نکال لیا کرتے تھے، جو اُن کی وسعتِ ظرفی وتحمل مزاجی کی بات تھی۔

وہ عام زندگی میں بھی سادہ، بے تکلف اور حلیم الطبع تھے۔ سختی، کرختگی، ترش روئی، سخت گیری اور تلخ گوئی سے ہمیشہ بچتے تھے۔ بعض اہلِ علم بہ ظاہر خوش مزاج وخوش طبع وبذلہ سنج ہوتے ہیں؛ لیکن وہ نکتہ سنجیوں کے رویّے کی تہ داریوں میں مخاطب کو بعض دفعہ اپنی ناوک افگنیوں سے بُری طرح گھائل کر جاتے ہیں۔ مفتی صاحبؒ کا اندازِ کلام اور زندگی کا عام طریقۂ کار ایسا رہا کہ کسی کو کبھی بھی اُن سے دلی تکلیف نہیں پہنچی۔

اسی کے ساتھ وہ زود رس، زود حس، زود نویس اور زود فکر تھے۔ تردّد، اضطراب اور شش وپنج سے اُن کی بیاضِ حیات بالکل خالی تھی، پیش آمدہ کسی بھی مسئلے میں بروقت اور صائب فیصلہ لیتے اور اُس کو بروقت برپا کرنے کی کوشش کرتے۔ زود نویسی کا یہ عالم رہا کہ ہمہ گیر مشغولیتوں کے باوجود، انتہائی کارآمد وفیض بخش تصنیفات کا ڈھیر لگا گئے۔ راقم بھی چوں کہ قرطاس وقلم کی راہ کا

ہی ناتواں مسافر رہا ہے؛ اِس لیے وہ بہ خوبی جانتا ہے کہ کام کی چند سطریں بھی تحریر کرنی کتنی مشکل ہوتی ہیں؛ بل کہ بعض دفعہ ایک صفحہ لکھنے کے لیے سیکڑوں صفحات کا مطالعہ بھی ناکافی ہوتا ہے۔ مفتی صاحبؒ پر یہ راقم اِس حوالے سے بہ طورِ خاص رشک کرتا تھا، وہ اُن سے ہمیشہ کہتا تھا کہ آپ ''رجل مُوفَّق''، یعنی باتوفیق آدمی ہیں، آپ کے وقت اور قلم دونوں میں بے پناہ برکت ہے۔ یہ راقم تمام تر عزلت نشینی؛ بل کہ مردم بے زاری کی حد تک علائق سے بالکلیہ پرہیز کے باوجود، اِس سلسلے میں اُن کی گردِ راہ کو بھی نہ پاسکا؛ کیوں کہ وہ سست نگار اور مطالعہ ونتائجِ مطالعہ سے فائدہ اُٹھانے میں سست قدم واقع ہوا ہے۔

اپنے مشہور تدریسی کارناموں کے ساتھ، اُنھوں نے مفید تر تصنیفات وتحقیقات کا اپنے پیچھے ایک بھرا پُرا اسلامی کتب خانہ چھوڑا ہے، جو اُنھیں حیاتِ دوام دینے کے لیے کافی ہے، اُس کے ذریعے اُن کی یادوں کے چراغ دل ودماغ میں روشن رہیں گے اور استفادہ کرنے والوں کی زبانوں پر اُن کا تذکرۂ جمیل نغمۂ جاوید کی طرح مچلتا رہے گا اور وہ صدقۂ جاریہ بن کر اُن کی میزانِ حسنات کو باوزن بناتا رہے گا۔

اپنے سارے علمی وتعلیمی مشاغل کے باوجود، بال بچوں کے حقوق کی ادائیگی، اُن کی تعلیمی وتربیتی ذمے داریوں کی کما حقہ انجام دہی میں چست رہنا اور خانگی امور سے ماہرانہ طور پر نمٹنا، اُن کا وجہِ امتیاز تھا۔ دسیوں سال پہلے کی بات ہے یہ راقم اُن کی طرف سے طے کردہ وقت کے مطابق، اُن کے گھر پہنچا، تو ڈھیر سارے بچے اُن کے سامنے اُن کی بیٹھک میں اپنے اسباق بلند آواز سے یاد کررہے تھے، ایسا لگتا تھا کہ بڑا مکتب یا چھوٹا موٹا مدرسہ اُن کی نگرانی میں اُن کے گھر میں چل رہا ہے۔ راقم کے ساتھ جو صاحب تھے وہ اُن کے یہاں اکثر آیا جایا کرتے تھے، اُنھوں نے راقم کو بتایا کہ یہ سب مفتی صاحب ہی کے بچے ہیں، مغرب تا عشا مفتی صاحب خود ہی سب بچوں کو پڑھاتے ہیں، چوں کہ کثیر الاولاد ہیں؛ اِس لیے آپ کو محسوس ہوا کہ اُن کے یہاں کوئی باقاعدہ مکتب چلتا ہے، جس میں اُن کے اور محلے کے بچے بھی پڑھتے ہیں۔

یہ راقم، مشاغلِ خیر سے اُن کی بھری پُری زندگی پر، اُن کے حینِ حیات بھی رشک کرتا تھا کہ توفیقِ الٰہی کے بغیر، اُن کی ایسی اِتنی پُر زندگی نہیں گزاری جاسکتی۔ اہلِ علم کے ساتھ اکثر یہ ہوتا ہے کہ وہ علمی سرگرمیوں کا حق تو بہ قدرِ توفیق ادا کرلیتے ہیں؛ لیکن امورِ زندگانی میں پھوہڑ ہوتے ہیں؛ بل کہ جو جتنا بڑا ذی علم ہوتا ہے، وہ زندگی کے معاملات میں اتنا ہی بدسلیقہ وبے ہنر ہوتا ہے۔

مفتی صاحبؒ کی ایک انفرادیت، جو اُنھیں دیگر معاصر علما سے ممتاز کرتی ہے، یہ بھی ہے کہ اُنھوں نے اپنی اولاد کو اپنے بعد، لوگوں کا دستِ نگر نہیں چھوڑا؛ بل کہ اُنھیں ''اغنیا'' چھوڑا ہے۔ اِس طرح اُنھوں نے ارشادِ نبوی پر عمل کیا ہے، جس میں کہا گیا ہے کہ تم اپنی اولاد کو اغنیا (مال دار وبے نیاز) چھوڑ کر جاؤ، یہ اس سے بہتر ہے کہ تم اُنھیں محتاج چھوڑ کر جاؤ کہ وہ لوگوں کے سامنے دستِ سوال دراز کرتے پھریں۔ (صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۵٦٦۸)۔

مفتی صاحبؒ کی یہ خصوصیت اِس لیے قابلِ ذکر ہے کہ اُنھوں نے بہت سے معاصر ''علماے دین'' کی طرح اپنے کو سیم وزر کا غلام نہیں بنایا اور زرکشی کے لیے وہ ہتھ کنڈے نہیں اپنائے جو عام طور پر غلامانِ مال وزر اپنایا کرتے ہیں۔ اُن کے کسی طرزِ عمل سے کسی کو کبھی یہ محسوس نہیں ہوا ہوگا کہ وہ مال ومنال اندوزی کے لیے اسباب سازی کی تگ ودو میں لگے رہے ہوں اور زندگی کے گراں مایہ لمحات کا کوئی حصہ اس کوشش میں پامال کیا ہو۔ اُن کی شناخت ہمیشہ ایک خوگرِ علم عالمِ صالح، مطالعہ وتحقیق کے رسیا،

قرطاس وقلم کے ساتھی، وسیع النظر محدث، دقیق النظر فقیہ ومفتی اور فنِ تدریس کے ماہر مستری کی ہی رہی؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل وکرم سے، اُن کے لیے کشادگیِ رزق کے دروازے وا کر دیے، اُن کی تصنیفات بھی بہت مقبول ومتداول اور کثرت سے فروخت ہوتی رہیں، جو اُن کی آمدنی کا مستقل ذریعہ رہیں اور اُن کی وفات کے بعد، اُن کے بچوں اور پس ماندگان کے لیے بھی؛ اِن شاء اللہ خود کفالتی کا یقینی وسیلہ رہیں گی۔

اُنھوں نے کئی سال پہلے اپنے سارے بچوں کے لیے دیوبند ہی میں الگ الگ مکانات بنوا دیے جن سے ایک محلّہ سا آباد ہو گیا ہے۔ یہی نہیں؛ بل کہ اُنھوں نے دارالعلوم اشرفیہ عربیہ راندیر (گجرات) جہاں اُنھوں نے ۱۳۸۴ھ سے ۱۳۹۳ھ تک تدریسی خدمت انجام دی اور دارالعلوم دیوبند جہاں شوال ۱۳۹۳ھ سے تاحیات ۱۴۴۱ھ تک سرگرم تدریس وفیض رسانی رہے، دونوں اِداروں سے جو تنخواہیں لی تھیں، وہ سب وَاپس کر دیں۔ دارالعلوم دیوبند سے اُنھوں نے ۱۴۲۳ھ میں حج بیت اللہ سے واپسی کے بعد، ۳۰ سال تین ماہ تک جو کچھ لیا تھا وہ ساری رقم لوٹا دی، اس کے بعد سے تاحیات دارالعلوم کے لیے اُن کی ساری خدمات بلامعاوضہ رہیں۔ دارالعلوم اشرفیہ راندیر سے انھوں نے نوسالہ مدتِ تدریس میں تئیس ہزار دوسو پچاس روپے (۲۳۲۵۰) تنخواہ لی تھی، جو اس کے خزانے میں ۲۸/اپریل ۲۰۰۳ء کو جمع کرا دی۔

دارالعلوم دیوبند سے ۱۳۹۳ھ سے ۱۴۲۳ھ تک تنخواہ کی شکل میں، اُنھیں کل نو لاکھ انچاس ہزار آٹھ سو چار روپے پچھتر پیسے (۹۴۹۸۰۴/۷۵) ملے تھے، جو اُنھوں نے متعدد مرتبہ میں اُس کو واپس کر دیے۔ محرم ۱۴۲۴ھ سے وفات تک دارالعلوم سے کوئی تنخواہ لی نہ کوئی مادی فائدہ اُٹھایا۔ تَقَبَّلَ اللّٰهُ حَسَنَاتِه، وكَثَّرَ اَمْثَالَه.

ان کی ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ اجتماعی دعوتوں میں شرکت سے بالکلیہ پرہیز کرتے تھے کہ اس سے وقت بہت ضائع ہوتا ہے اور طے کردہ التزامات ومعمولات میں ضرور خلل واقع ہوتا ہے۔

اُن کی ایک قابلِ ذکر خوبی یہ تھی کہ وہ بڑے سے بڑے دل گداز واستخواں سوز حادثے کے وقت بھی، اپنے اعصاب پر جس طرح قابو یافتہ رہتے تھے، اُس کی نظیر راقم نے بہت کم دیکھی ہے۔ وہ مشکل حالات کا ایک سچے مومن کی طرح جواں مردی سے مقابلہ کرتے اور کبھی جزع فزع کی کیفیتوں کا شکار نہ ہوتے۔ راقم نے پہلے بھی کہا ہے کہ وہ اعصاب شکن نازک حالات میں بھی صحیح اور بروقت عملی رائے قائم کرتے اور چاک داماں ہونے اور سینہ کوبی کرنے کی بہ جائے مطلوبہ سمت میں پیش قدمی کر کے وہ کام کرتے جو وقت کا تقاضا اور مستقبل سازی کا ذریعہ ہوتا۔

۱۴۱۵ھ/ ۱۹۹۵ء میں اُن کے سب سے بڑے صاحب زادے مولوی حافظ مفتی رشید احمد (جو ذی استعداد، ہونہار اور فرماں بردار ہونے کے ساتھ پہلی اولاد تھے) مظفر نگر کسی کام سے گئے واپسی میں ایک حادثے میں اچانک جاں بہ حق ہو گئے۔ مفتی صاحب اُس وقت لندن میں تھے، اُنھیں اس جاں کاہ حادثے کی خبر دی گئی، اُنھوں نے ٹھوس لہجے میں فرمایا: رشید احمد اللہ تعالیٰ کی امانت تھے، اللہ نے واپس لے لی۔ اہل خانہ کو ہدایت دی کہ اُن کی تجہیز وتکفین کا انتظام کرو اور علی الصباح نمازِ جنازہ وتدفین سے فارغ ہو جاؤ، میرے آنے کا انتظار نہ کرو، میری آمد میں تاخیر بھی ہوسکتی ہے۔

دارالعلوم میں اور اُن کے اہلِ خانہ میں طبعی طور پر اس واقعے کا بڑا غم تھا، لوگوں کو اندازہ تھا کہ مفتی صاحب کو بے حد صدمہ

ہوگا اور وہ اس کا اظہار بھی کریں گے اور لندن سے اپنی بہ عجلت واپسی تک تدفین کو مُعلّق رکھنے کی بات کہیں گے؛ لیکن اُنھوں نے صبرِ جمیل کا ایسا اعلیٰ نمونہ پیش کیا جو اُن کے ہی ایسے صبر شعار علماے کاملین کا شیوہ ہوتا ہے۔

۱۴۳۲ھ/ ۲۰۱۱ء میں اُن کی اہلیہ محترمہ کی رحلت کا حادثہ پیش آیا۔ یہ حادثہ اِس لیے بھی بڑا دل گداز تھا کہ اِس سے نہ صرف اُن کا گھر اجڑ سا گیا؛ بل کہ امورِ خانہ داری کی جو ترتیب قائم تھی، وہ بالکل تتّر بتّر ہوجانے کے خطرے سے دوچار ہوگئی۔ اُن کے بڑھتے ہوے علمی مشاغل کے پیشِ نظر، اُن کی سن رسیدگی میں، ہونہار و وفا شعار و پیکر انکسار و سمجھ دار اور امورِ خانہ داری میں ماہر حافظِ قرآن اور حفظ میں اپنے بچوں کی استاذ پڑھی لکھی بیوی؛ اُن کی زندگی کی سب سے بڑی ضرورت تھی؛ لیکن اُنھوں نے اِس صبر شکن موقع سے جس صبر و قرار کا مظاہرہ کیا اور اپنی مُتَاہّل وغیر مُتَاہّل اولاد کو جس خوش اندازی و ہنر مندی سے سنبھالا اور خانہ بربادی کے منڈلاتے خطرے کو جس طرح خانہ آبادی؛ بل کہ خانہ سازی میں تبدیل کیا، وہ ایک قابلِ تقلید نمونہ ہے کہ ایک ذی علم اور علمی و تعلیمی و تالیفی مشاغل میں بے حد منہمک عالم بھی اپنی کثیر الاولاد فیملی کو سلیقہ مندانہ انداز میں چلا سکتا ہے؛ ورنہ بالعموم ماہرینِ علم علما، نہ صرف گھریلو معاملات میں؛ بل کہ سارے انتظامی امور میں کورے اور نابلد ہوتے ہیں؛ کیوں کہ علمی مصروفیات کی جکڑ بندی وارتکاز خواہی وانہاک طلبی، دیگر سمتوں کی طرف جھانکنے کا موقع نہیں دیتی۔

مفتی صاحبؒ کی ایک انفرادیت یہ تھی کہ درسِ نظامی کے تحت چلنے والے مدارس (جن کا سر خیل اُمّ المدارس دارالعلوم دیوبند ہے) میں دینی عالم سازی کا جو مختلف العلوم نصاب رائج ہے، اُن کو اس نصاب کی تقریباً ساری کتابوں اور علوم میں دست گاہ حاصل تھی؛ کیوں کہ اپنے بھائیوں اور اپنی اولاد کو از ابتدا تا متوسطات خود ہی یہ کتابیں اُنھوں نے پڑھائیں اور مدرسہ اشرفیہ راندیر اور دارالعلوم دیوبند میں اُنھوں نے حدیث وفقہ کے علاوہ بھی متوسطات سے اوپر کی کتابوں کا درس دیا، نیز اس نصاب کی اکثر کتابوں کی تحریری تحقیق وتدقیق وشرح نگاری؛ اُن کی تالیفی زندگی کا اہم مشغلہ رہی؛ اِسی لیے منقولات ومعقولات اور عالیات وآلیات سے متعلق ہر طرح کے علوم وفنون، اُنھیں بالعموم مستحضر رہے، جس کی وجہ سے تدریسی وتالیفی عمل اُن کے لیے بہت آسان رہا۔

پھر یہ کہ توفیقِ الٰہی سے اُنھوں نے جہاں بھی جو کچھ بھی پڑھا، محنت اور لگن سے پڑھا اور رسمی فراغت کے بعد یا حصولِ تعلیم کے دوران، جس کو جو کچھ پڑھایا ہمہ تن مصروف رہ کر پڑھایا۔ اِس کے علاوہ اُن کی استعداد سازی میں ایک اور عامل نے بنیادی کردار ادا کیا، جس کا تذکرہ مفتی صاحبؒ کے برادرِ خُرد مولانا مفتی محمد امین صاحب پالن پوری استاذ دارالعلوم دیوبند نے، اپنی کتاب ''الخیر الکثیر'' کے شروع میں، اُن کے تعارف میں کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اُن کے والد ماجد محمد یوسف صاحبؒ (متوفی ذی قعدہ ۱۴۱۱ھ = جون ۱۹۹۱ء) گو تعلیم مکمل نہ کر سکے؛ لیکن اُنھوں نے کچھ دنوں جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل میں اُس زمانے میں تعلیم حاصل کی جب وہاں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ (۱۳۰۵ھ/ ۱۸۸۷ء — ۱۳۶۹ھ/ ۱۹۴۹ء) مولانا محمد یوسف بنّوریؒ (۱۳۲۶ھ/ ۱۹۰۸ء — ۱۳۹۷ھ/ ۱۹۷۷ء) اور مولانا بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنیؒ (۱۳۱۶ھ/ ۱۸۸۹ء — ۱۳۸۵ھ/ ۱۹۶۵ء) پڑھاتے تھے۔ اُن بزرگوں کے علم وعمل اور فضل وکمال سے وہ حد درجہ متاثر تھے، گھریلو حالات کی وجہ سے خود تو عالم نہیں بن سکے؛ لیکن یہ آرزو اُن کے دل میں موج زن رہی کہ اُن کی اولاد، اُن علماے نام دار کے جیسے عالم بن جائے، اُنھوں

نے اس کا اِظہار مولانا بدر عالم میرٹھی سے کیا، جن کے وہ خادمِ خاص تھے۔ مولاناؒ نے اُنھیں اُن کی آرزو کے برآنے کی راہ سمجھائی اور یہ نصیحت فرمائی:

''یوسف! اگر تم اپنے لڑکوں کو اچھا عالم بنانا چاہتے ہو، تو حرام اور ناجائز مال سے پرہیز کرنا اور بچوں کو بھی ناجائز اور حرام مال سے بچانا؛ کیوں کہ علم ایک نور ہے، ناجائز اور حرام مال سے جو بدن پروان چڑھتا ہے، اُس میں یہ نور داخل نہیں ہوتا۔''

مولانا مفتی محمد امین صاحب لکھتے ہیں:

''یہ نصیحت حضرت مولانا نے والد ماجد کو اس لیے کی تھی کہ اُس زمانے میں ہماری ساری قوم بنیوں کے سود میں پھنسی ہوئی تھی، اُسی زمانے میں ہمارے دادا نے بنیے سے سودی قرض لے کر ایک زمین کرایے پر لی تھی، والد صاحب اُس زمانے میں ڈابھیل کے طالبِ علم تھے، والد صاحب نے اِس معاملے میں دادا سے اختلاف کیا، تو دادا نے والد صاحب کو الگ کر دیا، چناں چہ والد صاحب کو حرام سے بچنے کے لیے مجبوراً تعلیم چھوڑ کر اپنا گھر سنبھالنا پڑا اور تہیّا کیا کہ چاہے بھوکا رہوں گا مگر حرام کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا؛ تاکہ میں نہیں پڑھ سکا تو اللہ تعالیٰ میری اولاد کو علمِ دین عطا فرمائیں۔'' (الخیر الکثیر، ص ۶۲)

الغرض اُن کے والد نے حرام غذا سے بچنے کا التزام کیا اور اپنی اولاد کو بھی اس سے بچائے رکھا، یقیناً نماز روزے کی پابندی، جو اُن کے والد کی خصوصیت تھی، کے ساتھ حرام خوری سے مکمل اجتناب کی وجہ سے اُن کی اولاد عموماً اور بڑی اولاد خصوصاً عالم باعمل بنی جو علم و عمل کی بھرپور حصول یابیوں کا گہرا نقشِ دوام ثبت کر کے دنیا سے رخصت ہوئی۔ اُن کے والد مرحوم کا یہ کارنامہ ان شاء اللہ اُن کی بخشش کا پروانہ ثابت ہوگا۔

مفتی صاحب اب اِس دنیا میں نہیں رہے؛ لیکن وہ اپنے علمی کارناموں کی وجہ سے مرنے کے بعد بھی زندہ، تابندہ اور پایندہ رہیں گے؛ کیوں کہ اُن کے علمی و تعلیمی کارنامے سوختگیِ خونِ جگر کا نتیجہ تھے: ایسے کارنامے انسان کی موت کے بعد زیادہ یاد رکھے جاتے ہیں۔ نشؔور واحدی نے کیا خوب کہا ہے:

خاک اور خون سے اِک شمع جلائی ہے نشؔور ۔۔۔ موت سے ہم نے بھی سیکھی ہے حیات آرائی

خاک میں خاکی جسم تو چھپ جاتا ہے؛ لیکن انسان کے علمی و فکری کارنامے تہِ خاک ہوجانے کے بعد اور درخشاں ہوجاتے ہیں:

لَعَمْرُكَ ما وَارَى التُّرَابُ فِعَالَهٗ ۔۔۔ وَ لٰكِنَّهٗ وَارَىٰ ثِـيَابًا وَ أَعْظُمَا

ہاں افسوس رہے گا تو اِس کا مفتی صاحب جیسے شمعِ علم پر قربان ہونے والے مثالی پروانے ایک ایک کر کے رخصت ہوتے جاتے ہیں:

فروغِ شمع تو باقی رہے گا صبحِ محشر تک ۔۔۔ مگر محفل تو پروانوں سے خالی ہوتی جاتی ہے

مفتی صاحب باصلاحیت فضلا و علما کے لیے مادی و معنوی سطح پر بڑے ہم درد اور مددگار ہوتے تھے؛ اِسی لیے مفتی صاحب کی

رحلت سے اُن سارے لوگوں کو بہ طورِ خاص بہت صدمہ ہوا ہے، جو جانتے ہیں کہ انسان ضعیف البنیان ہے اور نقائص ومعایب سے پر ہے؛ اس لیے معاشرتی زندگی میں جو ہر قسم کے انسانوں کا مجموعہ ہوتی ہے، معاشرتی خرابیاں ضرور ہوتی ہیں، اُن میں زیادہ عیاں حقوق رسانی کے حوالے سے ناہمواریاں ہیں، جس کے اندیشے سے بچنے کے لیے وہ مفتی صاحب کا سہارا لیتے تھے اور اُن کی عادلانہ ثالثی کے ذریعے، حق کی حق دار تک رسیدگی کا یقین رکھتے تھے؛ کیوں کہ محترم المقام ہونے کے وجہ سے، مفتی صاحب کی رائے وزن دار اور ہمیشہ مسموع ہوتی تھی اور ایسا شاید و باید ہی ہوتا تھا کہ وہ کوئی تجویز یا مشورہ پیش کریں اور متعلقہ لوگ اُس کو روبہ عمل لانے میں آناکانی کریں۔ کسی بھی معاشرے میں ایسی واجب الاحترام ہستی، اس کی غیر معمولی ضرورت ہوتی ہے۔

سوانحی نقوش

نام: مفتی صاحب کے والدین نے اُن کا نام ''احمد'' رکھا تھا؛ لیکن مفتی صاحب نے جب ١٣٧٧ھ/ ١٩٥٨ء میں مظاہر علوم سہارن پور میں داخلہ لیا، تو وہاں اپنا نام ''سعید احمد'' لکھوایا، اُس وقت سے آپ ''سعید احمد'' ہی سے جانے جاتے رہے۔ پورا نام سعید احمد بن یوسف بن علی بن جیوا (یعنی یحییٰ) بن نور محمد ہے۔

جاے پیدائش: موضع ''کالیڑہ''، ضلع ''بناس کانٹھا'' ہے، بناس کانٹھا نام سے کوئی شہر نہیں ہے؛ بل کہ یہ پورے علاقے کا نام ہے، ضلع کا صدر مقام شہر ''پالن پور'' ہے۔ ''کالیڑہ'' گاؤں پالن پور سے جنوب مشرق میں تقریباً ٤٨ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ کالیڑہ میں ''سلم العلوم'' کے نام سے ایک عربی مدرسہ بھی ہے، جہاں بہ وقتِ تحریر دورۂ حدیث تک تعلیم ہوتی ہے، مفتی صاحبؒ کی طالب علمی میں یہاں متوسطات ہی تک تعلیم ہوتی تھی۔

تاریخِ پیدایش: اُن کی صحیح تاریخِ پیدایش محفوظ نہیں ہے، اُن کے والد نے جب ''ڈبھاڈ'' میں زمین خریدی، تو بیع نامے کی روشنی میں تخمینے سے، اُن کا سنۂ پیدایش اواخر ١٩٤٠/ ١٣٦٠ھ بتایا، زمین کی خریدگی کے وقت، مفتی صاحب ڈیڑھ پونے دو سال کے تھے۔ مذکورہ خریدی ہوئی زمین پر ''مجاہد پورہ'' نام سے ایک گاؤں آباد ہو گیا ہے، مفتی صاحب کے والد کی اولاد جو ''ڈُھکّا'' خاندان سے تعلق رکھتی ہے، اب اسی گاؤں کی باسی ہے، مفتی صاحبؒ کا خاندان پالن پور کے علاقے کی مشہور ''مومن'' برادری سے تعلق رکھتا ہے۔

مفتی صاحب کے اُن سے چھوٹے ٤ بھائی اور ٤ بہنیں ہیں، مفتی صاحب اُن سب سے بڑے تھے، گویا وہ نو بھائی بہن تھے، بہنیں سب حیات ہیں اور متاہل ہیں۔ بھائیوں میں سے دو بھائی فوت ہو چکے ہیں۔ ایک عبدالرحمٰن جو مفتی صاحب کے معاً بعد کے تھے اور اپنے گاؤں مجاہد پورہ میں کھیتی باڑی کرتے تھے، ١٨/ ربیع الآخر ١٤٣٤ھ مطابق یکم مارچ ٢٠١٣ء کو اُن کا انتقال ہو گیا۔ اِن کے معاً بعد کے مولانا عبد المجید تھے جو دارالعلوم اشرفیہ راندیر کے فارغ تھے، وہ ٩/ ربیع الاول ١٤٣٦ھ مطابق یکم جنوری ٢٠١٥ء کو وفات پا چکے۔ ان کے بعد کے مولانا مفتی محمد امین پالن پوری ہیں، جن کی تاریخ ولادت ١٧/ ربیع الآخر ١٣٧١ھ مطابق ١٥/ جنوری ١٩٥٢ء ہے، دارالعلوم کے فاضل ہیں، ١٤٠٢ھ/ ١٩٨٢ء سے دارالعلوم دیوبند میں استاذ ہیں، اِس وقت دورۂ حدیث اور درجۂ علیا کی کتابیں ان سے متعلق ہیں۔ ذی استعداد اور صاحب تصنیفات ہیں۔ اللہ صحت وعافیت

کے ساتھ عمر دراز سے نوازے۔ دیوبند کے محلّہ قلعہ میں اپنے ذاتی مکان میں اپنے اہل وعیال کے ساتھ اُن کی بود وباش ہے۔ان سے چھوٹے مولانا حبیب الرحمٰن مولود ۱۳۷۹ھ/۱۹۶۰ء ہیں جو مظاہر علوم سہارن پور سے فارغ ہیں اور دارالعلوم اشرفیہ راندیر میں صحیح بخاری اور جامع الترمذی پڑھاتے ہیں۔

تعلیم: مفتی صاحب نے مکتب کی تعلیم اپنے آبائی گاؤں ''کالیڑہ'' کے مکتب میں حاصل کی، اس کے بعد اُن کے ماموں مولانا عبدالرحمٰن شیرؒ اُنھیں دارالعلوم چھاپی لے گئے، جہاں اُنھوں نے ماموں صاحب سے اور دیگر اساتذہ سے چھ ماہ تک فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں، چھ ماہ بعد ماموں نے مذکورہ مدرسے سے رشتہ منقطع کرکے اپنے گاؤں میں سکونت اختیار کرلی تو اُنھوں نے ماموں سے اُن کے گھر پر ہی فارسی کی کتابیں پڑھیں۔

عربی کی ابتدائی اور متوسط تعلیم مولانا محمد نذیر میاں پالن پوریؒ کے ''مدرسہ اسلامیہ عربیہ'' پالن پور میں حاصل کی، یہاں آپ کے اساتذہ میں مولانا مفتی اکبر میاں پالن پوریؒ اور مولانا ہاشم بخاریؒ تھے، جو دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہونے کے بعد گجرات کے کئی مدرسوں میں مدرس رہے، بعد میں کئی سال دارالعلوم دیوبند کے استاذ رہے، پھر مدینۂ منورہ ہجرت کرگئے اور اسی کی خاکِ پاک کا پیوند بنے۔

بعدہ ۱۳۷۷ھ/ ۱۹۵۸ء میں مظاہر علوم سہارن پور کا قصد کیا اور یہاں مسلسل تین سال تک تعلیم حاصل کی اور شرحِ جامی کے بعد اور جلالین سے پہلے کا مرحلہ طے کیا۔

۱۳۸۰ھ/ ۱۹۶۱ء میں دارالعلوم دیوبند میں جلالین اور ہدایہ اولین کی جماعت میں داخل ہوے۔اور ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء میں دارالعلوم میں دورۂ حدیث کیا۔دارالعلوم دیوبند میں مفتی صاحبؒ نے درجِ ذیل اساتذۂ کرام سے تعلیم حاصل کی:

مولانا سید اختر حسین دیوبندی (۱۳۱۶ھ/ ۱۸۹۸ء-۱۳۹۷ھ/ ۱۹۷۷ء) مولانا بشیر احمد خاں بلندشہری (متوفی ۱۳۸۶ھ/ ۱۹۶۶ء) مولانا سید حسن دیوبندی (متوفی ۱۳۸۱ھ/ ۱۹۶۱ء) مولانا عبد الجلیل کیرانوی (متوفی ۱۳۸۸ھ/ ۱۹۶۸ء) مولانا اسلام الحق اعظمی (۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء-۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء) حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند (۱۳۱۵ھ/ ۱۸۹۷ء-۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء) مولانا عبدالاحد دیوبندی (۱۳۲۷ھ/ ۱۹۰۹ء-۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۹ء) مولانا فخر الحسن مرادآبادی (۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۵ء-۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء) مولانا محمد ظہور دیوبندی (۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء-۱۳۸۳ھ/۱۹۶۳ء) علامہ محمد ابراہیم بلیاوی (۱۳۰۴ھ/ ۱۸۸۶ء-۱۳۸۷ھ/ ۱۹۶۷ء) مولانا مفتی سید مہدی حسن شاہ جہاں پوری (۱۳۰۱ھ/۱۸۸۴ء-۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء) شیخ محمد عبدالوہاب محمود مصری مبعوث از جامعہ ازہر برائے دارالعلوم دیوبند، مولانا نصیر احمد خاں بلندشہری (۱۳۳۷ھ/ ۱۹۱۸ء-۱۴۳۱ھ/۲۰۱۰ء) شیخ الحدیث حضرت مولانا سید فخر الدین ہاپوڑی ثم المرادآبادی (۱۳۰۷ھ/۱۸۸۹ء-۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء)۔

دورۂ حدیث میں مفتی صاحب نے اول نمبر سے کام یابی حاصل کی سوائے مسلم شریف کے جس میں اُنھیں ۴۵ نمبر ملے، حدیث شریف کی ساری کتابوں میں ۵۰-۵۰ نمبر حاصل کیے۔یاد رہے کہ دارالعلوم میں اُس وقت نمبرات کی آخری حد ۵۰ تھی، ابھی چند سال پہلے دنیا کے عام علمی اداروں کی طرح آخری حد ۱۰۰ نمبر ہوگئی ہے۔

۱۳۸۲ھ-۱۳۸۳ھ کے تعلیمی سال میں اُنھوں نے دارالعلوم میں افتا کیا، مستحکم صلاحیت کی وجہ سے ۱۳۸۳ھ-۱۳۸۴ھ کے تعلیمی سال میں دارالافتا میں معاون مفتی کی حیثیت سے اُن کا تقرر ہوا، حسنِ کارکردگی کی وجہ اُس وقت کے دارالعلوم کے مفتی،

مفتی محمود حسن نانوتوی نے ۱۳۸۴ھ میں اُن کے مستقل تقرر کی سفارش کی، مہتمم دارالعلوم حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ نے سفارش کو قبول فرماتے ہوئے، افتا کمیٹی کے ممبران کو تحریراً پیش رفت کا حکم دیا؛ لیکن متعلقہ کچھ حضرات نے اُس تحریر کو ٹھنڈے بستے میں ڈال دیا۔ علامہ محمد ابراہیم بلیاوی نے اُنھیں یہ فرماتے ہوئے اِس صورتِ حال کی اطلاع دی کی ''مولوی صاحب! گھبراؤ نہیں، اِس سے اچھے آؤ گے''۔ چناں چہ ۹ سال بعد وہ دارالعلوم دیوبند میں باقاعدہ خدمتِ تدریس کے لیے بلائے گئے اور دمِ واپسیں تک اِس سعادت سے بہرہ ور رہے۔

عملی میدان میں

ذی قعدہ ۱۳۸۴ھ/ مارچ ۱۹۶۵ء سے شعبان ۱۳۹۳ھ/ ستمبر ۱۹۷۳ء تک ۹ سال اُنھوں نے دارالعلوم اشرفیہ راندیر، سورت میں تدریسی خدمت انجام دی۔ وہیں سے تحریری وتالیفی کام کا آغاز بھی کیا اور مختلف کتابیں تصنیف کیں، نیز حضرت الامام مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ (۱۲۴۸ھ/ ۱۸۳۲ء- ۱۲۹۷ھ/ ۱۸۸۰ء) کے علوم ومعارف کی تفہیم وتشریح کا تحریری کام بھی شروع کیا، اِس سلسلے کی ایک کوشش ''اِفادات نانوتوی'' کے نام سے بالاقساط ''الفرقان'' لکھنؤ میں شائع ہوئی، جس کی اہلِ علم نے بہت پذیرائی کی۔

رجب ۱۳۹۳ھ/ اگست ۱۹۷۳ء میں منعقدشدہ مجلس شوریٰ نے مفتی صاحبؒ کو دارالعلوم کا استاذ منتخب کیا۔ شوال ۱۳۹۳ھ/ نومبر ۱۹۷۳ء سے آپ نے دارالعلوم دیوبند میں تدریسی خدمت انجام دینی شروع کی، پہلے سال اُنھوں نے مسلم الثبوت، ہدایہ اول، سلم العلوم، ملاحسن، ہدیہ سعیدیہ، جلالین نصف اول مع الفوز الکبیر کے اسباق پڑھائے۔ سال بہ سال ترقی کرتے ہوئے حدیث شریف کی کتابوں کی تدریس تک پہنچے۔

۱۴۳۱ھ/ ۲۰۱۰ء میں شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر احمد خاں بلند شہری کی وفات کے بعد آپ دارالعلوم کے شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہوئے اور ۱۴۴۱ھ/ ۲۰۲۰ء کے تعلیمی سال کے ختم تک آپ نے مکمل بخاری شریف کا درس دیا؛ لیکن حضرت مولانا نصیر احمد خاں کی حیات میں ہی ان کی وفات سے دوسال پہلے سے یعنی سال تعلیمی ۱۴۲۸ھ- ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۰۰۷ء- ۲۰۰۸ء سے ہی، آپ کے ذمے بخاری شریف کر دی گئی تھی؛ کیوں کہ حضرت مولانا نصیر احمد خان بہت کم زور اور رہین فراش ہوگئے تھے۔ دارالعلوم میں آپ شیخ الحدیث اور صدر مدرس بھی رہے، اسی کے ساتھ متعدد ذمے داریاں بھی اُن کے سپرد رہیں، مثلاً: ۱۳۹۵ھ/ ۱۹۷۵ء اور ۱۴۰۲ھ/ ۱۹۸۲ء میں اُنھوں نے دارالافتا کی سرپرستی اور نگرانی کی خدمت انجام دی، نیز ''مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوت'' کے ناظم اعلی رہے، اُنھوں نے اضافی خدمتوں میں سے کسی کا کوئی الاؤنس دارالعلوم کی پیش کش کے باوجود نہیں لیا۔

بیعت وخلافت:

اکابرواسلاف کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے، مفتی صاحب طلبِ علم کے زمانے سے اپنی باطنی اِصلاح کے لیے فکرمند رہے، چناں چہ تحصیلِ علم کے ساتھ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا قدس سرّہ (۱۳۱۵ھ/ ۱۸۹۷ء- ۱۴۰۲ھ/ ۱۹۸۲ء) سے بیعت ہوکر اُن کی تعلیمات وإرشادات پر عمل پیرا رہے، نیز دیگر معاصر صالحین کی مجلسوں سے استفادہ جاری رکھا، بالخصوص حضرت مولانا عبدالقادر رائپوری نور اللہ مرقدہ (۱۲۹۰ھ/ ۱۸۷۳ء- ۱۳۸۲ھ/ ۱۹۶۲ء) کی مجلسوں میں کثرت سے حاضر ہوتے رہے۔ ان بزرگوں کی وفات کے بعد حضرت مولانا مفتی مظفر حسین مظاہری رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۴۸ھ/ ۱۹۲۹ء- ۱۴۲۴ھ/ ۲۰۰۳ء) سے رجوع

ہوے اور اُنھی سے ۱۴۱۸ھ میں اجازتِ بیعت و اِرشاد سے بہرہ مند ہوے۔

تالیفات:

مفتی صاحب نے مختلف موضوعات پر کتابیں لکھیں جن میں مستقل تصنیفات اور شروحات اور مراجعات داخل ہیں، اُن کے صفحات مجموعی طور پر تینتیس ہزار چھ سوبیس (۳۳۶۲۰) ہوتے ہیں۔ ان میں بڑی، متوسط اور چھوٹی تقطیع کی کتابیں شامل ہیں، ان میں سے متعدد کتابیں کئی کئی ضخیم جلدوں میں ہیں، جب کہ اکثر کتابیں ایک یا دو جلدوں میں ہیں، جن کی فہرست حسب ذیل ہے:

۱- تحفۃ القاری، یہ صحیح بخاری کی شرح ہے، ۱۲ جلدوں میں ہے، ہر جلد ۳۰×۲۰ کی تقطیع پر تقریباً چھ سو صفحے کی ہے، ساری جلدوں کے صفحات بہتر سو دس (۷۲۱۰) ہیں۔

۲- تحفۃ الالمعی، یہ جامع ترمذی کی شرح ہے، مذکورہ تقطیع میں ۸ آٹھ جلدوں میں ہے، ہر جلد زائد از چھ سو صفحات پر مشتمل ہے، ساری جلدوں کے کل صفحات انچاس سو اکیاسی (۴۹۸۱) ہوتے ہیں۔

۳- تفسیر ہدایت القرآن، یہ قرآن پاک کی آسان تفسیر اور ترجمہ ہے، مذکورہ تقطیع میں اس کی آٹھ ۸ جلدیں ہیں، ہر جلد زائد از ۶۰۰ صفحات میں ہے، کل جلدوں کے مجموعی صفحات پینتالیس سو چھہتر (۴۵۷۶) ہوتے ہیں۔

۴- آسان بیان القرآن، یہ حکیم الامت حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ (۱۲۸۰ھ/ ۱۸۶۳ - ۱۳۶۲ھ/ ۱۹۴۳ء) کی تفسیر مکمل بیان القرآن کی تسہیل ہے، جو دار العلوم کے ایک فاضل مولانا عقیدت اللہ قاسمی نے کی ہے، مفتی صاحب نے نظر ثانی کے بعد، اُس کی طباعت واشاعت اپنے تجارتی مکتبہ: ''مکتبۂ حجاز'' دیوبند سے کیا ہے، مذکورہ تقطیع پر یہ ۵ پانچ جلدوں میں ہے، ہر جلد تقریباً چھ سو (۶۰۰) صفحات کی ہے، پانچوں جلدوں کے کل صفحات (۲۸۶۸) اٹھائیس سو اڑسٹھ ہوتے ہیں۔

۵- رحمۃ اللہ الواسعہ، یہ محدث دہلوی (امام احمد بن عبدالرحیم معروف بہ ''شاہ ولی اللہ دہلوی'' (۱۱۱۴ھ/۱۷۰۳ء-۱۱۷۶ھ/ ۱۷۶۲ء) کی مشہور تصنیف ''حجۃ اللہ البالغہ'' کی اردو شرح ہے، جو مفتی صاحب نے بڑی جاں فشانی سے کی ہے؛ اِسی لیے اِس سلسلے میں کی گئیں سابقہ ساری کوششوں سے فائق اور مفید تر ثابت ہوئی ہے اور اہل علم نے اس کی بہت پذیرائی کی ہے۔ یہ کتاب پانچ (۵) جلدوں میں مذکورہ تقطیع میں ہے، مکمل جلدوں کے مجموعی صفحات چھتیس سو چودہ (۳۶۱۴) ہیں۔

۶- تحقیق وتعلیق حجۃ اللہ البالغہ، یہ عربی زبان میں حجۃ اللہ البالغہ کی تحقیق وتعلیق ہے، اس کو بڑے سائز پر دار ابن کثیر دمشق نے ۱۴۳۱ھ/ ۲۰۱۰ء میں بہت خوب صورت چھاپا تھا، یہ دو جلدوں میں ہے، پہلی جلد ۶۹۳ صفحات کی ہے اور دوسری جلد ۶۴۷ صفحات کی، دونوں جلدوں کے مجموعی صفحات (۱۳۴۰) تیرہ سو چالیس ہوتے ہیں۔ اِسی طباعت کا عکس مفتی صاحب کے ''مکتبۂ حجاز'' سے اسی انداز میں چھپا ہوا، دیوبند میں دست یاب ہے۔

۷- ایضاح المسلم، یہ صحیح مسلم کی شرح کی پہلی جلد ہے، جو کتاب الایمان پر مشتمل ہے، مذکورہ تقطیع میں یہ جلد (۶۰۰) چھ سو

صفحات میں ہے۔

۸- فیض المنعم، یہ مقدمۂ صحیح مسلم کی شرح ہے، بڑے سائز کے (۱۷۶) ایک سوچھہتر صفحات میں ہے۔

۹-شرح علل الترمذی، جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، یہ علل الترمذی کی عربی میں شرح ہے، کتاب بڑے سائز کے اسی (۸۰) صفحات میں ہے، مکتبۂ حجاز سے شائع ہوتی رہتی ہے۔

۱۰- زبدۃ شرح معانی الآثار (کتاب الطہارۃ) یہ امام طحاوی (ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامہ ازدی طحاوی: ۲۳۸ھ/۸۵۲ء-۳۲۱ھ/۹۳۳ء) کی مشہور کتاب ''معانی الآثار'' کے کتاب الطہارۃ کی عربی شرح ہے۔ یہ متوسط سائز کے ایک سو انیس (۱۱۹) صفحات میں ہے۔

۱۱- مفتاح التہذیب، یہ منطق کی مشہور کتاب ''تہذیب المنطق'' مؤلفہ سعدالدین تفتازانی (۷۲۲ھ/۱۳۲۲ء-۷۹۲ھ/۱۳۹۰ء) کی اردو شرح ہے، متوسط سائز کے (۱۵۲) ایک سو باون صفحات میں ہے۔اس کتاب کی تدریس کی تقریر کو اُن کے پسرِ اکبر مولانا رشید احمد پالن پوری مرحوم (۱۳۸۶ھ/ ۱۹۶۶ء- ۱۴۱۵ھ/ ۱۹۹۵ء) نے جمع کیا تھا اور دارالعلوم کے استاذ مولانا خورشید احمد گیاوی نے مرتب کیا تھا۔

۱۲- الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، یہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی فارسی تصنیف کا عربی میں ترجمہ ہے، یہ ترجمہ ماضی میں ایک سے زائد لوگوں نے کیا تھا؛ لیکن وہ نقص آلودرہا، اِس لیے مفتی صاحب نے اس کی تہذیب وتصحیح کی اور حذف وتنقیح کے ساتھ،اس پر حاشیہ نویسی بھی کی۔ دارالعلوم دیوبند اور ملحقہ مدارس میں مفتی صاحب ہی کا یہ عربی ترجمہ داخل نصاب ہے، یہ کتاب متوسط سائز کے ایک سو بیس (۱۲۰) صفحات میں ہے۔

۱۳- العون الکبیر شرح الفوز الکبیر، یہ الفوز الکبیر فی اصول التفسیر کی عربی میں شرح ہے، یہ متوسط سائز کے تین سو بارہ (۳۱۲) صفحات میں ہے۔

۱۴- الوافیۃ بمقاصد الکافیۃ، یہ عربی زبان میں علامہ ابن الحاجب (ابوعمرو عثمان بن عمر بن ابی بکر بن یونس دوینی اَسنائی معروف بہ ''ابن الحاجب'': ۵۷۰ھ/۱۱۷۴ء- ۶۴۶ھ/ ۱۲۴۹ء) کی نحو میں معرکۃ الآراء کتاب ''الکافیہ'' پر حواشی وتعلیقات ہیں۔ یہ کتاب متوسط سائز کے دوسو پندرہ (۲۱۵) صفحات میں ہے۔

۱۵- ہادیہ شرحِ کافیہ، یہ اردو زبان میں کافیہ کی شرح ہے، چھوٹے سائز کے تین سو اٹھاون (۳۵۸) صفحات میں ہے۔

۱۶- مبادئ الفلسفہ، یہ کتاب دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کی طلب پر مفتی صاحب نے ترتیب دی ہے، جو دارالعلوم میں داخل نصاب ہے، کتاب کا مقصد فلسفہ کی بڑی اور دقیق ومشکل کتابوں سے پہلے، طلبہ کو اس کے اصول ومبادی سے واقف کرانا ہے؛ تا کہ ان کے لیے، ان کتابوں کا پڑھنا اور سمجھنا آسان ہوجائے۔ یہ کتاب متوسط سائز کے چالیس (۴۰) صفحات میں ہے۔

۱۷- معین الفلسفہ، یہ مبادئ الفلسفہ کی اردو شرح ہے، جس سے میبذی کے حل میں بھی مدد ملتی ہے اور فلسفہ کے پیچیدہ مسائل کو حل کرنا آسان ہوتا ہے۔ یہ کتاب چھوٹے سائز پر (۱۶۴) ایک سو چونسٹھ صفحات میں ہے۔

۱۸- مبادئ الاصول، یہ اصول فقہ کی بنیادی اصطلاحات پر مشتمل ہے، عربی زبان میں اصول الشاشی، نورالانوار اور کشف

الاسرار وغیرہ اُصول فقہ کی کتابوں سے استفادے کے ذریعے تیار کی گئی ہے۔ اِس کو پڑھ لینے کے بعد اصول فقہ کی مشکل کتابوں کو ہضم کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ یہ کتاب متوسط سائز کے چالیس (۴۰) صفحات میں ہے۔

۱۹- معین الاصول، یہ اردو زبان میں مبادئ الاصول کی شرح ہے، چھوٹے سائز کے ایک سو بارہ (۱۱۲) صفحات میں ہے۔

۲۰- آپ فتویٰ کیسے دیں؟، یہ کتاب علامہ ابن عابدین شامی (محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین دمشقی معروف بہ ''علامہ شامی'' (۱۱۹۸ھ/۱۷۸۴ء-۱۲۵۲ھ/ ۱۸۳۶ء) کی مشہور کتاب ''شرح عقود رسم المفتی'' کا سلیس اردو ترجمہ ہے، مترجم نے مباحث کی ضروری وضاحت اور مفید عنوانات کے اضافے کے ساتھ، فقہا اور کتب فقہیہ کا مفصل تعارف بھی کتاب میں درج کر دیا ہے۔ یہ کتاب متوسط سائز کے ایک سو ساٹھ (۱۶۰) صفحات میں ہے۔

۲۱- آسان صرف، یہ کتاب مفتی صاحب نے مبتدی طلبہ کے لیے لکھی ہے، یہ برصغیر میں اکثر مدرسوں میں داخلِ نصاب ہے۔ یہ کتاب تین حصوں میں ہے، چھوٹے سائز پر پہلا حصہ چالیس (۴۰) صفحے میں، دوسرا حصہ چونسٹھ (۶۴) صفحے میں اور تیسرا حصہ ایک سو چار (۱۰۴) صفحے میں ہے۔

۲۲- آسان نحو، یہ کتاب نحو کے مبتدی طلبہ کے لیے دو حصوں میں اردو میں لکھی گئی ہے، چھوٹے سائز پر، پہلا حصہ چالیس (۴۰) صفحے میں اور دوسرا حصہ ایک سو چار (۱۰۴) صفحے میں ہے۔

۲۳- آسان فارسی قواعد، یہ مبتدی طلبہ کو فارسی پڑھانے کے لیے بہت آسان کتاب ہے، دو حصوں میں ہے، پہلا حصہ چھوٹے سائز پر بتیس (۳۲) صفحے میں ہے اور دوسرا حصہ (۶۴) چونسٹھ صفحے میں ہے۔

۲۴- آسان منطق، یہ کتاب دراصل مولانا حافظ عبداللہ گنگوہیؒ کی تالیف تیسیر المنطق کی ترتیب و تسہیل ہے، جو مفتی صاحبؒ نے کی ہے۔ یہ چھوٹے سائز پر (۷۷) صفحے میں ہے۔

۲۵- تحفۃ الدرر شرح نخبۃ الفکر، یہ علامہ ابن حجر عسقلانی (شہاب الدین ابوالفضل احمد بن علی بن محمد کنانی عسقلانی مصری شافعی: ۷۷۳ھ/ ۱۳۷۱ء-۸۵۲ھ/ ۱۴۴۹ء) کی اصول حدیث کی مشہور کتاب ''نخبۃ الفکر في مصطلح اہل الاثر'' کی اردو میں شرح ہے، چھوٹے سائز کے (۸۴) چوراسی صفحے میں ہے۔

۲۶- مفتاح العوامل شرح مئۃ عامل، یہ کتاب امام عبدالقاہر جرجانی (ابوبکر عبدالقاہر بن عبدالرحمٰن بن محمد جرجانی: ۴۰۰ھ/ ۱۰۰۹ء-۴۷۱ھ/ ۱۰۷۸ء) کی فن نحو کی مشہور کتاب ''شرح مئۃ عامل'' کی اردو میں گراں قدر شرح ہے۔ یہ شرح دراصل شیخ الحدیث حضرت مولانا سید فخر الدین احمد ہاپوڑی مرادآبادی نور اللہ مرقدہ نے کی تھی، اس کا مسودہ عرصے تک حضرت مولانا ریاست علی بجنوریؒ (۱۳۵۹ھ/ ۱۹۴۰ء-۱۴۳۸ھ/ ۲۰۱۷ء) کے پاس محفوظ رہا، مفتی صاحب نے وہ مسودہ ان سے لے کر اس پر دیدہ ریزی سے نظر ثانی کیا اور مولانا خورشید انور گیاوی استاذ دارالعلوم نے اسے مرتب و مکمل کیا، النوع الاول کے نصف کے بعد کی ترکیب نحوی رہ گئی تھی، اس کا اضافہ کیا۔ یہ کتاب چھوٹے سائز پر دو سو بہتر (۲۷۲) صفحے میں ہے۔

۲۷- گنجینۂ صرف، یہ اردو میں صرف کی مشہور کتاب ''پنج گنج'' کی شرح ہے، یہ شرح بھی حضرت مولانا سید فخر الدین احمد کے قلم سے ہے، مفتی صاحب نے اس کا مسودہ بھی حضرت مولانا ریاست علیؒ سے حاصل کر کے اس پر نظر ثانی کی اور اس کو مرتب

ومکمل کر کے اپنے مکتبہ، مکتبۂ حجاز سے شائع کیا، یہ کتاب چھوٹے سائز کے دوسو پچپن (۲۵۵) صفحے میں ہے۔

۲۸- علمی خطبات، یہ مفتی صاحب کی ان تقریروں کا مجموعہ ہے، جواُنھوں نے رمضان المبارک کے مہینے میں بیرون ملک بالخصوص برطانیہ، کناڈا وغیرہ میں کیں، ان کے صاحب زادوں نے انھیں مرتب کیا اور مفتی صاحب نے لفظ لفظ ان کو پڑھا تھا، اس کے بعد یہ تقریریں شائع کی گئیں، گویا یہ بھی ان کی تالیف ہی ہے۔ پہلا حصہ چھوٹے سائز پر (۳۰۴) تین سو چار صفحات میں اور دوسرا حصہ (۲۷۱) دوسو اکہتر صفحات میں ہے۔

۲۹- تذکرۂ مشاہیر محدثین وفقہاے کرام اور تذکرہ راویانِ کتبِ حدیث، اِس کتاب میں خلفاے راشدین، عشرۂ مبشرہ، ازواجِ مطہرات، بناتِ طیبات، فقہاے سبعہ، مجتہدین امت، محدثین کرام، راویان کتب حدیث، شارحین حدیث، فقہاے امت، مفسرین عظام، متکلمین اسلام وغیرہ کا انتہائی اختصار کے ساتھ تذکرہ ہے۔ یہ کتاب چھوٹے سائز کے اَسّی (۸۰) صفحے میں ہے۔

۳۰- دین کی بنیادیں اور تقلید کی ضرورت، یہ کتاب مفتی صاحب کی ان تقریروں کا مجموعہ ہے، جواُنھوں نے غیر مقلدین کے ردّ میں لندن میں اور جون ۲۰۰۴ء میں ہندو پور اور شہر مدراس میں کیں، پھر ان پر نظر ثانی کی اور رحمت اللہ الواسعہ سے دین کی بنیادی باتوں کا اضافہ کیا، اب یہ مذکورہ نام سے چھوٹے سائز کے (۹۶) چھیانوے صفحے میں چھپتی رہتی ہے۔

۳۱- داڑھی اور انبیاء کی سنّتیں، جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، اس کتاب میں داڑھی پر کیے جانے والے اعتراضات کے جوابات کے علاوہ انبیا کی سنتوں کو بیان کیا گیا ہے، جیسے ناخن تراشنا، بغل کے بال لینا، مسواک کرنا وغیرہ۔ یہ کتاب چھوٹے سائز کے ایک سو اٹھائیس (۱۲۸) صفحے میں ہے۔

۳۲- عصری تعلیم، ضرورت، اندیشے، تدبیریں، لڑکیوں کو سرکاری اسکولوں میں عصری تعلیم دلانے کے سلسلے میں مشکلات ونقصانات پر غور کرنے کے لیے، علاقۂ پالن پور میں قائم اِصلاحی جماعت نے ۱۰ ربیع الآخر ۱۴۲۷ھ مطابق ۹ مئی ۲۰۰۶ء کو ایک اجتماع منعقد کیا اور مفتی صاحب کو مذکورہ مسئلے پر خطاب کے لیے مدعو کیا۔ اُنھوں نے جو کچھ ارشاد فرمایا اس کو کتاب کی صورت میں، شعبۂ نشرو اشاعت دارالعلوم چھاپی، گجرات نے شائع کیا۔ یہ کتاب چھوٹے سائز کے پچپن (۵۵) صفحات میں ہے۔

۳۳- اسلام تغیر پذیر دنیا میں، یہ کتاب جو چھوٹے سائز میں ایک سو بارہ (۱۱۲) صفحات میں ہے، ان چار مقالات کا مجموعہ ہے، جو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اور جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے سمیناروں اور جلسوں میں پڑھے گئے۔ پہلے مقالے کا عنوان ''اسلام تغیّر پذیر دنیا میں'' ہے جو مفتی صاحبؒ کے قلم سے ہے اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں پڑھا گیا۔ دوسرے مقالے کا عنوان ''فکرِ اسلامی کی تشکیلِ جدید کا مسئلہ'' ہے، یہ بھی مفتی صاحب ہی کا لکھا ہوا ہے، یہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے سمینار میں پڑھا گیا۔ تیسرا مقالہ بہ عنوان ''فقہِ حنفی میں فہم معانی کے اصول'' ہے، یہ حضرت مولانا ریاست علی بجنوری کا تحریر کردہ ہے، یہ بھی جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے سمینار میں پڑھا گیا۔ چوتھا مقالہ جو ''نبوت نے انسانیت کو کیا دیا؟'' سے مُعَنْوَن ہے، مفتی صاحب کا نتیجۂ فکر ہے، یہ جامعہ ملیہ اسلامیہ کی جامع مسجد میں پیش کیا گیا۔

۳۴- حرمتِ مُصاہَرت، یہ کتاب چھوٹے سائز کے اسی (۸۰) صفحے میں ہے۔ اس میں سسرالی اور دامادی رشتوں کے

مکمل احکام اور ناجائز انتفاع کا حکم ذکر کیا گیا ہے۔

۳۵- حیاتِ امام طحاوی، یہ کتاب چھوٹے سائز کے چھیانوے (۹۶) صفحات میں ہے۔ اس میں امام طحاوی کے تذکرے کے ساتھ، شرح معانی الآثار کا تعارف اور اس کی شروح کا جائزہ شامل ہے۔

۳۶- حیاتِ امام ابوداود، یہ کتاب چھوٹے سائز کے اسی (۸۰) صفحات میں ہے، اس کتاب میں امام صاحب کے حالات، سنن ابی داود کا تعارف، اس کی شرحوں اور متعلقات کا جائزہ شامل ہے۔

۳۷- جلسۂ تعزیت کا شرعی حکم، یہ کتاب چھوٹے سائز پر (۸۶) چھیاسی صفحات میں چھپی ہوئی ہے۔ رجب ۱۴۳۹ھ/ اپریل ۲۰۱۸ء میں حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ (۱۳۴۴ھ/ ۱۹۲۶ء-۱۴۳۹ھ/ ۲۰۱۸ء) پر دارالعلوم وقف دیوبند نے سمینار کیا جس میں کبار اساتذہ و منتظمین دارالعلوم کو بھی مدعو کیا گیا، دیگر لوگوں نے شرکت کی لیکن مفتی صاحب نے دلائل کی روشنی میں مذکورہ سمینار کو جلسۂ تعزیت مانتے ہوے، اس میں شرکت نہیں کی، جس سے علمی مناقشے کا سلسلہ شروع ہوگیا، مفتی صاحب نے اپنی عدم شرکت پر علمی انداز میں جو کچھ لکھا، نیز دیگر لوگوں نے تحریری طور پر جو کچھ کہا، اس کو اس کتاب میں جمع کر دیا گیا ہے، جس سے کتاب دستاویزی حیثیت اختیار کرگئی ہے۔

۳۸- تسہیلِ ادلۂ کاملہ، یہ کتاب متوسط سائز کے دوسو بتیس (۲۳۲) صفحات میں ہے، یہ شیخ الہند اکیڈمی دارالعلوم دیوبند سے شائع ہوتی ہے، یہ کتاب غیر مقلدوں کے دس سوالات اور ان کے تحقیقی جوابات پر مشتمل ہے، یہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ (۱۲۶۸ھ/ ۱۸۵۱ء-۱۳۳۹ھ/ ۱۹۲۰ء) کی تصنیف ہے، مفتی صاحب نے اس کی تسہیل کی ہے اور اُن کے برادر خرد مولانا مفتی محمد امین پالن پوری نے اس کی ترتیب وتزیین کی ہے۔

۳۹- تحقیق وتحشیہ ایضاح الادلہ، یہ کتاب متوسط سائز کے (۶۷۱) چھ سو اکہتر صفحات میں شیخ الہند اکیڈمی سے طبع ہوتی ہے، غیر مقلدوں کے دس سوالوں کے جوابات کی شرح ووضاحت خود شیخ الہندؒ نے کی تھی، مفتی صاحب نے تحقیق وتحشیہ کا کام کیا ہے اور مولانا مفتی محمد امین پالن پوری نے ترتیب وتزیین کی ہے۔

۴۰- کیا مقتدی پر فاتحہ واجب ہے؟، یہ کتاب حضرۃ الامام محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ کی کتاب ''توثیق الکلام والدلیل المحکم'' کی شرح ہے۔ یہ چھوٹے سائز کے ایک سوانسٹھ (۱۵۹) صفحے میں ہے۔

۴۱- اِرشاد الفہوم شرح سلم العلوم، جیسا کہ نام سے ظاہر ہے یہ قاضی محبّ اللہ بن عبدالشکور بہاری (متوفی ۱۱۱۹ھ / ۱۷۰۷ء) کی فن منطق کی مشہور ومتداول غیر معمولی کتاب ''سلّم العلوم'' کی اردو شرح ہے۔ یہ چھوٹے سائز کے (۳۸۴) تین سو چوراسی صفحات میں ہے۔

۴۲- کامل برہانِ الٰہی، یہ کتاب متوسط سائز میں چار (۴) جلدوں میں ہے، پہلی جلد پانچ سو چھیاسٹھ (۵۶۶) صفحات کی ہے، دوسری پانچ سوساٹھ (۵۶۰) کی، تیسری بھی پانچ سوساٹھ (۵۶۰) صفحات کی، جب کہ چوتھی (۶۱۴) چھ سو چودہ صفحات کی ہے، کل صفحات تیئس سو (۲۳۰۰) ہوتے ہیں۔ اس کتاب میں وہ مضامین ہیں جو مفتی صاحب نے ''حجۃ اللہ البالغہ'' کی شرح ''رحمۃ اللہ الواسعۃ'' کے ہر مبحث کے شروع میں اس کے مشمولات کو سمجھانے کے لیے لکھے ہیں، قارئین کی خواہش پر ان کی رائے

ہوئی کہ ان مضامین کو علاحدہ کتاب میں شائع کر دیا جائے، تا کہ جو لوگ ''حجۃ اللہ البالغۃ'' میں شاہ صاحب کی عربی عبارت کی بہ جائے صرف شاہ صاحب کی مراد کو جاننا چاہیں وہ مفتی صاحب کے ان مضامین ہی کو پڑھ لیا کریں۔

۴۳- محفوظات، یہ کتاب چھوٹے سائز میں تین حصوں میں ہے، تینوں حصوں کے مجموعی صفحات (۱۱۲) ایک سو بارہ ہیں۔ اس میں مفتی صاحب نے طلبہ کو یاد کرانے کے لیے کچھ آیتیں اور احادیث مع ترجمۂ اردو درج کی ہیں۔ پہلے حصے میں چھوٹی چھوٹی آیتیں اور احادیث ہیں، دوسرے میں پہلے سے کچھ بڑی اور تیسرے میں ان سے بھی بڑی؛ تا کہ تدریجاً طلبہ کی استعداد کے مطابق انھیں سمجھنا اور یاد کرنا آسان ہو۔

۴۴- مسئلہ ختم نبوت اور قادیانی وسوسے، یہ کتاب چھوٹے سائز کے چونسٹھ (۶۴) صفحات میں ہے، ردّ قادیانیت اور مسئلہ ختم نبوت پر یہ بہت قیمتی رسالہ ہے۔ دارالعلوم کا ''کل ہند تحفظ ختم نبوت'' شعبہ اس کی اشاعت کرتا رہتا ہے۔

۴۵- تعدد ازواج رسول A پر اعتراضات کا علمی جائزہ، یہ کتاب مفتی صاحب کی دورانِ تدریسِ حدیث مذکورہ موضوع پر تقریر ہے، جو بنگلہ دیش کے ایک فاضل دارالعلوم اور مفتی صاحب کے شاگرد مولانا کمال الدین شہاب قاسمی نے مرتب کر کے دارالنشر ڈھاکہ بنگلہ دیش سے چھوٹے سائز کے تریسٹھ (۶۳) صفحات میں شائع کی ہے۔

۴۶- تہذیب المغنی، ''المغنی'' علامہ محمد بن طاہر بن علی پٹنی (۹۱۰ھ/ ۱۵۰۴ء-۹۸۶ھ/ ۱۵۷۸ء) کی اسماء الرجال پر اہم کتاب ہے، مفتی صاحب نے اس کی عربی شرح لکھنی شروع کی تھی؛ صرف باب الراء تک لکھ سکے تھے؛ اِس لیے وہ شائع نہ ہو سکی۔

۴۷- زبدۃ الطحاوی، امام طحاوی کی ''معانی الآثار'' کی عربی تلخیص ہے، چونکہ مدارس میں یہ کتاب جہاں تک پڑھائی جاتی ہے، وہیں تک کام کر سکے تھے؛ اِس لیے اس کو شائع نہیں کیا۔

۴۸- مفتی صاحب کے بہت سے فتاوی اُن کے ذاتی رجسٹروں اور دارالعلوم کے دارالافتا کے رجسٹروں میں محفوظ ہیں۔ اُنھیں دیگر علمی کاموں سے فرصت نہیں ملی اس لیے اُنھیں مُدَوَّن کر کے شائع نہ کر سکے۔

پس ماندگان

۱۳۸۴ھ/ ۱۹۶۵ء میں مفتی صاحب کی شادی اپنے ماموں مولوی حبیب الرحمٰن خیرؔ ا کی بڑی صاحب زادی سے ہوئی، مفتی صاحب نے اپنی اہلیہ کی نہ صرف صلاح وتقوی اور صبر وشکر پر پرورش کی؛ بل کہ اُنھیں جیّد حافظ قرآن بنایا جس کی وجہ سے یہ ہوا کہ اُنھوں نے امور خانہ داری کو بہ خوبی انجام دیتے ہوئے اپنے بچے اور بچیوں کو؛ بل کہ اپنی بہوؤں کی بھی حفظ قرآن کی سعادت عظمی سے نوازا۔ قابل ذکر ہے کہ وقتِ تحریر مفتی صاحب کی ۳۱ اولاد واحفاد واسباط اور پانچ بہوویں حافظِ قرآن ہیں، یاد رہے کہ بہ راہ راست اولاد اور مفتی صاحب کے پوتوں، پوتیوں اور نواسے نواسیوں کی تعداد ۳۳ ہے۔

پہلے لکھا جا چکا ہے کہ مفتی صاحب کی اہلیہ کا ۱۴۳۲ھ/ ۲۰۱۱ء میں انتقال ہو چکا، دو صاحب زادوں کی بھی وفات ہو چکی ہے، ایک پسرِ اکبر مولوی مفتی رشید احمد مولود ۴؍ جمادی الاخری ۱۳۸۶ھ مطابق ۲۰؍ ستمبر ۱۹۶۶ء کی جن کی ایک حادثے میں ۵؍ شوال ۱۴۱۵ھ مطابق ۷؍ مارچ ۱۹۹۵ء کو شہادت ہوگئی۔ ان کے دولڑکے ہیں: مولوی مفتی مسیح اللہ فاضلِ دارالعلوم دیو بند جو ممبئی کے ایک

مدرسے میں مدرس ہیں اور اپنی والدہ (جن کی دوسری شادی ہوچکی ہے) کے ساتھ ممبئی ہی میں سکونت پذیر ہیں، دوسرا لڑکا سمیع اللہ حافظِ قرآن ہے، وہ ممبئی کے ایک مکتب میں معلم ہے اور ممبئی ہی میں اپنی والدہ کے ساتھ رہائش پذیر ہے۔

پسر ثانی مولانا حافظ سعید احمد مولود یکم ذی قعدہ ۱۳۸۷ھ مطابق یکم فروری ۱۹۶۸ء، ہدایہ تک تعلیم یافتہ تھے اور سورت کے ایک مدرسے میں حفظ کے استاذ تھے، مدرسے کا نام دارالعلوم محلّہ رام پورہ ہے۔ پانچ چھ سال سے راندیر کے کسی مدرسے میں مدرس تھے اور وہیں بہ روز منگل: ۲۸/ربیع الاول ۱۴۴۱ھ مطابق ۲۶/نومبر ۲۰۱۹ء وہ اللہ کو پیارے ہوگئے اور وہیں مدفون ہوے۔

ایک صاحب زادی، جو چوتھے نمبر کی اولاد تھی اور جس کی تاریخ پیدائش ۱۳/جمادی الاولی ۱۳۹۱ھ مطابق ۷/جولائی ۱۹۷۱ء ہے، بہت جلد بہ مقام راندیر، بہ روز جمعہ: ۱۶/ربیع الاول ۱۳۹۳ھ مطابق ۲۰/اپریل ۱۹۷۳ء، داغِ مفارقت دے گئی۔

باقی اولاد الحمدللہ زندہ بخیر ہیں، جو مندرجۂ ذیل ہیں:

۱- مولانا وحید احمد مولود ۱۷/جمادی الاولی ۱۳۸۹ھ مطابق ۲/اگست ۱۹۶۹ء، فاضلِ دارالعلوم ہیں، ۱۵ سال سے دمن کے مدرسہ نورالاسلام میں درس وتدریس میں مشغول ہیں۔

۲- مولانا حسن احمد مولود ۱۴/محرم ۱۳۹۳ھ مطابق ۱۸/فروری ۱۹۷۳ء، دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد مفتی صاحب نے انھیں اپنی کتابوں کی کمپیوٹر سے ٹائپ کرنے کی ذمے داری سپرد کی، اب وہ اس کام کے ماہر بن گئے ہیں چناں چہ اُنھوں نے ''روشن کمپیوٹر'' کے نام سے کمپوزنگ کا باقاعدہ ادارہ قائم کرلیا ہے۔

۳- مولانا مفتی حسین احمد مولود ۲/جمادی الاخری ۱۳۹۴ھ مطابق ۲۴/جون ۱۹۷۴ء۔ دارالعلوم کے فاضل ہیں، ذی استعداد ہیں، مختلف مدرسوں میں تدریسی خدمت انجام دے چکے ہیں، جس کے دوران بخاری ومسلم وترمذی شریف پڑھا چکے ہیں۔ مفتی صاحب کی ترمذی کی شرح ''تحفۃ الالمعی'' اور بخاری کی شرح ''تحفۃ القاری'' انھی نے مرتب کی ہے اور اب مسلم کی شرح کو مرتب کررہے ہیں، جس کی ایک جلد مفتی صاحب کی زندگی میں آچکی ہے، اب اس کے بعد کی جلدوں پر کام کررہے ہیں۔ اپنے ذاتی مکان میں ''معہد الفقہ النعمانی'' کے نام سے ایک ادارہ کے بانی ومدیر بھی ہیں، جس میں فضلاے مدارس کے لیے فقہ وافتا میں مہارت یابی کا انتظام ہے۔

۴- مولانا محمد ابراہیم سعیدی مولود شعبان ۱۳۹۶ھ/ اگست ۱۹۷۶ء، دارالعلوم سے فارغ ہونے کے بعد سے ہی، ضلع ہاپوڑ کے ایک گاؤں ''کورانہ'' میں مدرسہ نافع العلوم میں تقریباً بائیس ۲۲ سال سے مدرس ہیں، وہاں کے صدر مدرس اور ناظمِ تعلیمات بھی ہیں اور فقہ وحدیث کی کتابوں کا درس بھی دیتے ہیں۔

۵- حافظ محمد قاسم مولود ۵/ربیع الآخر ۱۳۹۸ھ مطابق ۱۵/مارچ ۱۹۷۸ء درجہ سوم عربی تک تعلیم حاصل کی، اب تجارتی سرگرمیوں میں مصروف ہیں، دیوبند میں قاضی مسجد کے قریب ''مکتبۂ حجاز'' کے منیجر ہیں۔

۶- حافظہ عائشہ مولود صفر ۱۳۹۹ھ/ جنوری ۱۹۷۹ء، بڑی صاحب زادی کا نام بھی عائشہ تھا، ان کا دوڈھائی سال میں انتقال ہوگیا، تو مفتی صاحب نے اُس کے بعد متولد ہونے والی بچی کا نام بھی عائشہ ہی رکھا، جو اس وقت دو بہنوں میں بڑی بہن ہے، حفظِ قرآن کے بعد بنیادی دینی تعلیم حاصل کی، اپنی بچیوں کو عائشہ سلمہا نے خود ہی حفظ کرایا اور ان کی مزید تعلیم وتربیت کی ذمے داری ادا

کررہی ہیں۔ مفتی اسامہ پالن پوری فاضلِ دارالعلوم کی اہلیہ ہیں، جو جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل میں درجاتِ متوسطہ وعلیا کی کتابیں پڑھاتے ہیں، فقہی ضوابط، مسائل المیز ان، تحفۃ الفقہ، فقہی اصول اور ’’تاسیس النظر‘‘ کی شرح وغیرہ کے مصنف بھی ہیں۔

۷- مفتی محمد سعید مولود ربیع الآخر ۱۴۰۱ھ/ فروری ۱۹۸۱ء، دارالعلوم سے فراغت کے بعد، مفتی صاحب کے علمی خطبات کو مرتب کرنے کا کام کیا، مظفر نگر کے کشن پور کے مدرسہ بحرالعلوم میں پانچ سال تدریسی خدمت کے بعد، گیارہ سال سے جامعۃ الامام محمد انور دیو بند میں درجاتِ علیا کی کتابوں کی تدریس ان کے سپرد ہے۔

۸- مولانا احمد سعید مولود ۴؍صفر ۱۴۰۳ھ مطابق ۲۱؍نومبر ۱۹۸۲ء، دارالعلوم کے فاضل ہیں، پندرہ سال سے دیو بند کے مدرسہ جامعۃ الشیخ حسین احمد مدنی میں درجات علیا کے مدرس ہیں۔

۹- حافظہ فاطمہ سلمہا مولود ۱۱؍ جمادی الاولی ۱۴۰۵ھ مطابق ۲؍فروری ۱۹۸۵ء، حفظِ قرآن کے بعد بنیادی دینی تعلیم سے بہرہ ور ہیں۔ ’’گھٹامن‘‘ پالن پور کے مدرسہ جامعہ نورالعلوم کے بانی و مہتمم مرحوم جناب حنیف صاحب کھروڈیہ کے صاحب زادے حافظ بلال کی اہلیہ ہیں، حافظ بلال کی بود و باش ممبئی میں ہے، جہاں وہ تجارت سے وابستہ ہیں۔ مفتی صاحب نے اپنی زندگی کے آخری ایام انھی صاحب زادی کے یہاں گزارے اور ممبئی کی خاک کا ہی پیوند بنے۔

۱۰- قاری حافظ عبداللہ سعید مولود: ۷؍رجب ۱۴۰۶ھ مطابق ۱۹؍مارچ ۱۹۸۶ء، حفظِ قرآن کے بعد مدرسہ اسلامیہ ریڑھی تاج پورہ، سہارن پور سے تجوید وقراءت کی سند حاصل کی، اِس وقت دیو بند میں تجارتی سرگرمیوں میں مصروف ہیں۔

۱۱- حافظ عبید اللہ مولود ۹؍صفر ۱۴۰۹ھ مطابق ۲۲؍ستمبر ۱۹۸۸ء، حافظ قرآن ہیں اور بنیادی دینی تعلیم سے بھی بہرہ یاب ہیں، مکتبۂ حجاز دیو بند میں تجارتی سرگرمیوں سے وابستہ ہیں۔

تحریر کردہ ۱۱ بجے صبح: جمعہ ۲۶؍شوال ۱۴۴۱ھ مطابق ۱۹؍جون ۲۰۲۰ء